THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.2, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات میں سورۃ یوسفؑ: تربیتی اور دعوتی جہات کا تحقیقی مطالعہ

An Analytical Study of the Pedagogical and Preaching Dimensions in Maulana Qazi Abdul Hadi Rustami's Exegetical Notes on Surah Yusu f

i. **Nawab Ali,** *Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan, Email: nawabali15101@gmail.com*

ii. **Dr. Muhammad Zubair**, *Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan,, Email: zubair@awkum.edu.pk*

Absract:

This research paper presents an analytical study of the pedagogical and preaching dimensions in the exegetical notes of Maulana Qazi Abdul Hadi Rustami on Surah Yusuf. The study explores how Maulana Rustami interpreted the Qur'anic narrative of Prophet Yusuf (A.S.) as a comprehensive model of moral training, spiritual purification, social reform, and wisdom. His exegetical methodology reflects a balanced combination of Tafsir bil-Ma'thur, linguistic explanation, narrative style, ethical instruction, and practical guidance for individual and collective reform. The research highlights major pedagogical themes such as patience, steadfastness, chastity, forgiveness, self-purification, and moral discipline, while also examining the preaching dimensions of hope, wisdom, positive thinking, and reformative invitation. The study further demonstrates that Maulana Rustami's commentary transforms the story of Yusuf (A.S.) from a historical narrative into a living framework for ethical and spiritual development in contemporary society. Employing descriptive and analytical research methods, the paper concludes that his exegetical notes possess significant scholarly, reformative, and educational value and deserve further academic exploration within the broader field of Qur'anic studies and Islamic pedagogy.

Keywords: *Tafsir, Pedagogy, Dawah, SurahYusuf, Morality, Patience, Chastity, Forgiveness, Reform, Spirituality*

1۔ تمہید

قرآنِ مجید محض احکام و عقائد کی کتاب نہیں بلکہ انسان کی فکری، روحانی، اخلاقی اور دعوتی تربیت کا جامع سرچشمہ بھی ہے۔ اس کی آیات میں جہاں توحید، رسالت، آخرت اور شریعت کے اصول بیان ہوئے ہیں، وہیں انسانی زندگی کے عملی، نفسیاتی اور معاشرتی مسائل کو بھی نہایت حکیمانہ انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم نے اپنی دعوت کو مؤثر بنانے کے لیے مختلف اسالیب اختیار کیے، جن میں قصصِ قرآن کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ قصص محض تاریخی واقعات نہیں بلکہ ایمان، صبر، توکل، عفت، حکمت، عفو، اور اصلاحِ نفس جیسے عظیم انسانی اوصاف کی تربیت کا ذریعہ ہیں۔ اسی بنا پر قرآنِ کریم نے اپنے قصص کو "عبرت"، "ہدایت" اور "رحمت" قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾[1]

ترجمہ: "یقیناً ان کے واقعات میں اہلِ عقل کے لیے بڑی عبرت ہے۔"

سورۃ یوسفؑ قرآنِ مجید کے انہی عظیم قصص میں سے ایک ہے جسے قرآن نے خود "اَحسن القصص" قرار دیا ہے۔[2] اس سورت میں حضرت یوسفؑ کی زندگی کے مختلف مراحل — بچپن، حسدِ اخوت، کنویں کی آزمائش، غلامی، فتنۂ زلیخا، قید و بند، اقتدار، عفو و درگزر، اور خاندانی وصال — کو اس انداز سے بیان کیا

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.2, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

گیا ہے کہ یہ سورت انسانی حیات کے نفسیاتی، اخلاقی، تربیتی، اور دعوتی پہلوؤں کا جامع مرقع بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرینِ قرآن نے ہر دور میں اس سورت کی تفسیر پر خصوصی توجہ دی اور اس کے مضامین سے اصلاحِ فرد و معاشرہ کے لیے رہنمائی حاصل کی۔[3]

سورۃ یوسفؑ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دعوت و تربیت کا عمل براہِ راست انسانی جذبات اور عملی زندگی کے تجربات کے ساتھ مربوط نظر آتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کا صبر، حضرت یوسفؑ کی عفت و پاک دامنی، بھائیوں کی نفسیاتی کشمکش، زلیخا کا اعترافِ حقیقت، اور بالآخر معافی و مصالحت کا منظر — یہ سب انسان کی اخلاقی تربیت اور روحانی تطہیر کے بنیادی اصولوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ اس سورت میں دعوت محض خطابت یا وعظ کی صورت میں نہیں بلکہ کردار، عمل، صبر، حکمت، اور اخلاق کے ذریعے سامنے آتی ہے۔ اسی لیے امام قرطبیؒ نے سورۃ یوسفؑ کو "اہلِ غم و ابتلاء کے لیے تسلی اور اہلِ دعوت کے لیے حکمت کا خزانہ" قرار دیا ہے۔[4]

قرآنِ کریم کے قصص ہمیشہ سے مفسرین، محدثین، اور علماء کے علمی ذوق کا مرکز رہے ہیں۔ برصغیر اور خصوصاً پشتون خطے کے علماء نے بھی ان قصص کی تشریح اور تفہیم میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انہی اہلِ علم میں شیخ القرآن مولانا قاضی عبدالہادی رستمی کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے، جنہوں نے اپنی تفسیری تعلیقات میں قرآنِ مجید کے مختلف مقامات کی نہایت سادہ، مؤثر، اور اصلاحی انداز میں توضیح کی۔ ان کی تفسیری تعلیقات خصوصاً سورۃ یوسفؑ کے ذیل میں نہ صرف روایتی تفسیری سرمایہ کی عکاس ہیں بلکہ ان میں دعوتی حکمت، تربیتی بصیرت، اور اخلاقی اصلاح کا پہلو بھی نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔

مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کا تعلق ضلع مردان کے علاقے رستم کے معروف علمی خانوادے "خاندانِ قاضیان" سے تھا، جو علمی، روحانی، اور دینی خدمات کے اعتبار سے پورے خطے میں ممتاز مقام رکھتا تھا۔[5] اس خاندان کے علماء نے تدریس، وعظ، امامت، اور اصلاحِ معاشرہ کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ مولانا رستمیؒ نے اسی علمی و روحانی ماحول میں پرورش پائی جہاں قرآن و حدیث کی تعلیم، دینی مجالس، اور علمی مباحث روزمرہ زندگی کا حصہ تھے۔ ان کے والد مولانا قاضی غلام محبوب ایک نہایت متقی، دیندار، اور اصلاحی مزاج شخصیت تھے، جنہوں نے اپنے فرزند کی ابتدائی علمی و اخلاقی تربیت میں بنیادی کردار ادا کیا۔[6]

مولانا رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات کی اہمیت اس اعتبار سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ محض لفظی ترجمہ یا روایتی نقل پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ ان میں تربیتی، اخلاقی، نفسیاتی، اور دعوتی نکات کو نہایت سادہ مگر مؤثر اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی تفسیر میں آثارِ صحابہ، احادیثِ نبویہ، قصصی روایات، اور عوامی اصلاح کے عناصر باہم مربوط صورت میں سامنے آتے ہیں۔ ان تعلیقات میں ایک داعی، مصلح، اور مربی کی فکر نمایاں محسوس ہوتی ہے، جو قاری کو محض معلومات نہیں بلکہ کردار سازی کی دعوت دیتی ہے۔

تحقیق میں بنیادی طور پر توصیفی (Descriptive) اور تجزیاتی (Analytical) منہج اختیار کیا گیا ہے۔ اصل پشتو تعلیقات کے اردو ترجمے کو اساس بنا کر ان کے تربیتی و دعوتی نکات کا علمی جائزہ لیا گیا ہے۔ جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں کلاسیکی تفاسیر، احادیث، اور معاصر علمی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے تاکہ تحقیق معروضیت، علمی استناد، اور اکیڈیمک معیار کے مطابق ہو۔ اسی طرح شگاگو مینول اسٹائل کے مطابق حوالہ جات اور مصادر کی ترتیب کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ مقالہ بین الاقوامی تحقیقی اصولوں سے ہم آہنگ ہو سکے۔

2۔ مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کا تفسیری منہج

قرآنِ مجید کی تفسیر محض الفاظ کے ترجمہ یا ظاہری مفاہیم کی توضیح کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسا علمی و فکری عمل ہے جس کے ذریعے کلامِ الٰہی کے معانی، مقاصد، احکام، حکمتیں، اور دعوتی و تربیتی جہات کو واضح کیا جاتا ہے۔ ہر مفسر اپنے علمی پس منظر، فکری رجحان، فقہی وابستگی، اور معاشرتی ماحول کے مطابق ایک مخصوص تفسیری منہج اختیار کرتا ہے۔ یہی منہج اس کی تفسیر کی علمی شناخت بناتا ہے۔ شیخ القرآن مولانا قاضی عبدالہادی رستمی کی تفسیری تعلیقات کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ ان کا منہج روایت و درایت، علم و دعوت، اور تحقیق و اصلاح کے حسین امتزاج پر قائم ہے۔ ان کی تفسیر میں جہاں سلف صالحین کے اقوال، احادیثِ

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.2, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

نبویہ ﷺ، اور لغوی تحقیقات کا اہتمام ملتا ہے، وہیں عام قاری کی فکری و اخلاقی اصلاح کا پہلو بھی نمایاں نظر آتا ہے۔

مولانا رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات کسی رسمی یا محض درسی تفسیر کی صورت نہیں رکھتیں بلکہ ان میں ایک داعی، مربی، محدث، اور مفسر کی جامع شخصیت جلوہ گر ہوتی ہے۔ ان کا اسلوب نہ صرف علمی وقار کا حامل ہے بلکہ عوامی فہم سے بھی قریب ہے، جس کے باعث ان کی تفسیر خواص و عوام دونوں کے لیے افادیت رکھتی ہے۔ ان کے تفسیری منہج کے نمایاں پہلو درج ذیل ہیں:

تفسیر بالماثور کا استعمال

مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کے تفسیری منہج کی بنیادی خصوصیت "تفسیر بالماثور" سے گہرا تعلق ہے۔ وہ قرآنِ مجید کی تفسیر میں سب سے پہلے قرآن، پھر سنتِ نبوی ﷺ، اقوالِ صحابہؓ، اور آثارِ تابعینؒ سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تفسیر بالرائ ای اس وقت تک معتبر نہیں ہو سکتی جب تک وہ منقول و ماثور روایات سے ہم آہنگ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیقات میں روایت کا عنصر نمایاں طور پر موجود ہے۔

مولانا رستمیؒ اس اصول کے قائل ہیں کہ قرآنِ کریم کی سب سے مستند تفسیر وہی ہے جو خود قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ کے ارشادات سے ثابت ہو۔ ان کا یہ منہج دراصل محدثین اور متقدمین مفسرین کے اس اصول کا تسلسل ہے جسے امام طبریؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفاسیر میں اختیار کیا۔[7]

مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾[8]

کی تفسیر کرتے ہوئے وہ دلوں کی سختی کے مفہوم کو قرآن کی دیگر آیات کے ذریعے واضح کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ مسلسل نافرمانی، عہد شکنی، اور اللہ کے احکام سے اعراض انسان کے قلب کو پتھر سے بھی زیادہ سخت بنا دیتا ہے۔ اس انداز سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک قرآن ایک مربوط کتاب ہے جس کی آیات باہم ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں۔

اسی طرح جمادات کے شعور اور ان کی تسبیح کے مسئلے پر وہ حدیثِ نبوی ﷺ:

"أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ"[9]

سے استدلال کرتے ہیں، تاکہ یہ حقیقت واضح ہو کہ بے جان مخلوقات بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور شعور رکھتی ہیں، جبکہ انسان معصیت کے سبب اس شعور سے محروم ہو جاتا ہے۔

قرآن کی قرآن سے تفسیر

مولانا رستمیؒ کے نزدیک "تفسیر القرآن بالقرآن" تفسیر کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ وہ قرآن کی کسی آیت کو دوسری آیات کی روشنی میں سمجھنے کو سب سے زیادہ معتبر طریقہ قرار دیتے ہیں۔ اس منہج کے ذریعے وہ نہ صرف اجمال کی تفصیل کرتے ہیں بلکہ مختلف قرآنی مضامین میں ربط اور وحدت کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔

مثلاً "فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ"[10] کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے اسے "مباہلہ" کے مفہوم سے جوڑا اور ان آیات سے استدلال کیا جہاں جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کا ذکر موجود ہے۔ اس انداز سے وہ قرآن کے داخلی ربط (Internal Coherence) کو اجاگر کرتے ہیں، جو ان کے تفسیری شعور کی پختگی کی علامت ہے۔

یہ منہج شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اس نظریے سے بھی ہم آہنگ نظر آتا ہے کہ قرآن اپنے معانی کی توضیح خود کرتا ہے اور ایک مقام کا اجمال دوسرے مقام کی تفصیل سے واضح ہوتا ہے۔[11]

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.2, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

احادیث و آثارِ صحابہ سے استدلال

مولانا رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات میں احادیثِ نبویہ ﷺ اور اقوالِ صحابہؓ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ "مبینِ قرآن" ہیں، اس لیے آپ ﷺ کی تشریح کے بغیر قرآن کے حقیقی معانی تک رسائی ممکن نہیں۔[12]

اسی وجہ سے ان کی تعلیقات میں متعدد مقامات پر احادیثِ صحیحہ سے استدلال ملتا ہے۔ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اقوال کو انہوں نے بڑی اہمیت دی ہے، کیونکہ مفسرین کے نزدیک آپؓ "ترجمان القرآن" کے لقب سے معروف ہیں۔[13]

مثلاً "فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ" کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"اگر وہ موت کی تمنا کر لیتے تو فوراً مر جاتے اور اپنا ٹھکانا جہنم میں دیکھ لیتے۔"[14]

اسی طرح تابعین میں امام مجاہدؒ، قتادہؒ، اور دیگر ائمہ کے اقوال سے بھی وہ استفادہ کرتے ہیں۔ یہ انداز اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی تفسیر محض ذاتی آراء پر مبنی نہیں بلکہ سلفِ صالحین کے فہم سے مربوط ہے۔

لغوی و ادبی توضیحات

مولانا رستمیؒ نہ صرف مفسر تھے بلکہ عربی لغت اور نحو پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کی تفسیری تعلیقات میں قرآنی الفاظ کے مادّوں، لغوی معانی، اور نحوی تراکیب کی توضیح نہایت علمی انداز میں ملتی ہے۔ ان کے نزدیک لغت و نحو قرآن فہمی کی کلید ہیں، کیونکہ معمولی اعرابی تبدیلی بھی معنی میں فرق پیدا کر سکتی ہے۔

مثلاً لفظ "قَسَتْ" کی تشریح کرتے ہوئے وہ اس کے مادہ "ق-س-و" کی وضاحت کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس سے مراد ایسی سختی ہے جس میں نرمی اور تاثیر باقی نہ رہے۔ اسی طرح "وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ"[15] کی تفسیر میں وہ صرف لفظی ترجمہ نہیں کرتے بلکہ اس سے "دانستہ اعراض" اور "حق کو پسِ پشت ڈال دینا" مراد لیتے ہیں۔

مولانا رستمیؒ کی لغوی توضیحات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ عربی مفاہیم کو پشتو اور اردو کے قریب ترین محاوراتی انداز میں منتقل کرتے ہیں۔ اس سے نہ صرف مفہوم واضح ہوتا ہے بلکہ قاری قرآنی تعبیرات کی معنوی گہرائی سے بھی آشنا ہوتا ہے۔

قصصی اسلوب اور بیانیہ انداز

مولانا رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات میں قصصی انداز نہایت مؤثر اور دلنشیں ہے۔ وہ قصصِ قرآن کو محض تاریخی واقعات کے طور پر بیان نہیں کرتے بلکہ ان سے اخلاقی، روحانی، اور دعوتی اسباق اخذ کرتے ہیں۔ خصوصاً سورۃ یوسفؑ کے ذیل میں ان کا بیانیہ انداز قاری کو واقعے کے اندر لے جاتا ہے اور کرداروں کی نفسیاتی کیفیت کو محسوس کراتا ہے۔

مثلاً حضرت یوسفؑ کے کنویں میں ڈالے جانے، حضرت یعقوبؑ کے غم، اور زلیخا کے اعترافِ حقیقت کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے وہ محض روایت نقل نہیں کرتے بلکہ اس سے صبر، عفو، عفت، اور توکل جیسے اوصاف کی تربیت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا قصصی اسلوب "تاریخی بیان" سے بڑھ کر "اصلاحی و تربیتی خطاب" بن جاتا ہے۔

ان کا اسلوب "ایجاز و تاثیر" کا حسین امتزاج ہے۔ وہ کم الفاظ میں گہرے معانی بیان کرتے ہیں اور فلسفیانہ پیچیدگیوں کے بجائے براہِ راست دل پر اثر انداز ہونے والا انداز اختیار کرتے ہیں۔ یہی اسلوب انہیں پشتو تفسیری ادب میں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

اسرائیلی روایات اور ان کا استعمال

مولانا رستمیؒ نے اسرائیلی روایات سے بھی استفادہ کیا ہے، تاہم ان کا رویہ نہایت محتاط اور معتدل ہے۔ وہ ان روایات کو محض قصے کی رنگینی کے لیے نقل نہیں کرتے بلکہ ان کی صحت اور موافقتِ شریعت کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں۔

مثلاً سورۃ یوسفؑ کے بعض واقعات میں انہوں نے وہ روایات نقل کی ہیں جو سابقہ تفاسیر، خصوصاً تفسیر ابن کثیرؒ اور جامع البیان للطبریؒ میں مذکور ہیں، لیکن ساتھ ہی ان کے قابلِ قبول یا نا قابلِ اعتماد ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔[16]

یہ منہج دراصل محدثین کے اس اصول کے مطابق ہے کہ اسرائیلیات کو نہ مطلقاً رد کیا جائے اور نہ بلا تحقیق قبول کیا جائے، بلکہ انہیں قرآن و سنت کے معیار پر پرکھا جائے۔[17]

وعظ، نصیحت اور اصلاحی طرزِ بیان

مولانا رستمیؒ کی تفسیر کا سب سے نمایاں پہلو اس کا اصلاحی اور دعوتی اسلوب ہے۔ وہ محض علمی معلومات فراہم نہیں کرتے بلکہ ہر آیت سے عملی سبق اور اخلاقی پیغام اخذ کرتے ہیں۔ ان کا انداز ایک مربی اور داعی کا انداز ہے جو قاری کے قلب و ذہن کو جھنجھوڑتا اور اسے اصلاحِ نفس کی دعوت دیتا ہے۔

ان کے خطیبانہ اسلوب میں جگہ جگہ "اے مسلمانو!" جیسے الفاظ ملتے ہیں، جو قاری کو براہِ راست مخاطب بنا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیقات علمی ہونے کے باوجود خشک محسوس نہیں ہوتیں بلکہ ان میں روحانی حرارت اور اصلاحی تاثیر موجود ہے۔

مثلاً جادو کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے وہ صرف فقہی حکم بیان نہیں کرتے بلکہ اسے "غیر اللہ کی طرف رجوع" اور "توحید کے منافی عمل" قرار دے کر عوام کو شرک اور توہمات سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے واقعات کو محض تاریخی قصے کے طور پر نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے لیے تنبیہ اور عبرت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

یہی اصلاحی اور تربیتی اسلوب مولانا رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات کو محض ایک علمی کام نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے دعوت، تربیت، اور اصلاحِ معاشرہ کا مؤثر ذریعہ بنا دیتا ہے۔

3۔ سورۃ یوسفؑ میں تربیتی جہات

سورۃ یوسفؑ قرآنِ مجید کی ان سورتوں میں سے ہے جن میں انسانی زندگی کے مختلف آزمائشی مراحل کو نہایت جامع، بلیغ اور مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سورت کا مرکزی اسلوب محض قصہ گوئی نہیں بلکہ تربیت، تزکیہ، اور اخلاقی تشکیل ہے۔ مولانا قاضی عبد الہادی رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات میں بھی یہی جہت نہایت نمایاں ہے کہ وہ حضرت یوسفؑ کے واقعات کو ایک زندہ تربیتی نصاب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ قصہ محض ماضی کا واقعہ نہیں رہتا بلکہ ہر دور کے انسان، خاص طور پر آزمائش، محرومی، خاندانی کشمکش، اور صبر و ثبات کے مسائل سے دوچار فرد کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔
سورۃ یوسفؑ کے ابتدائی واقعات سے آخری مناظر تک، ہر مقام پر مولانا رستمیؒ نے اخلاقی تربیت کے پہلو کو نمایاں کیا ہے، اور اسی بنا پر ان کی تعلیقات اصلاحی ادب کا رنگ بھی اختیار کر لیتی ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس سورت کے آغاز ہی میں یہ اعلان فرمادیا کہ یہ "أحسن القصص" ہے، یعنی بہترین قصہ؛ اس لیے کہ اس میں محض واقعاتی تسلسل نہیں بلکہ انسانی نفس کی پیچیدگیاں، خاندانی رشتوں کی آزمائش، اور الٰہی تدبیر کی حکمتیں ایک ساتھ جمع ہو گئی ہیں۔[1] مولانا رستمیؒ کی تفسیر میں یہی پہلو سامنے آتا ہے کہ وہ یوسفؑ کے قصے کو ایک تربیتی آئینہ بناتے ہیں جس میں فرد اپنی کمزوریاں، سماج اپنی خرابیوں، اور اہلِ ایمان اپنے لیے صبر، عفت، توکل اور عفو کا سبق دیکھ سکتے ہیں۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

3.1۔ صبر واستقامت کی تربیت

سورۂ یوسفؑ میں صبر واستقامت کا موضوع محض ایک اخلاقی فضیلت نہیں بلکہ پورے قصے کی روح ہے۔ حضرت یعقوبؑ کی جدائی، حضرت یوسفؑ کی کنویں میں آزمائش، غلامی، فتنۂ زلیخا، قید وبند، اور پھر طویل انتظار کے بعد وصال — یہ سب مراحل اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ مؤمن کی زندگی صبر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ قرآن نے حضرت یعقوبؑ کے ابتدائی موقف کو ان الفاظ میں محفوظ کیا: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ﴾۔[18] یہ صرف ایک جملہ نہیں بلکہ اسلامی تربیت کا بنیادی اصول ہے: ایسا صبر جو شکایت، اضطراب، اور ناشکری سے پاک ہو، اور جس میں دل کے اندر یقین وتسلیم کی روشنی باقی رہے۔

حضرت یعقوبؑ کا صبر

مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ حضرت یعقوبؑ کے صبر کو محض غم برداشت کرنے کا نام نہیں دیتے، بلکہ اسے توکل، حکمت، اور اللہ پر کامل اعتماد کی عملی صورت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق بھائیوں کے بے رحمانہ رویے، جھوٹ، عہد شکنی، اور قمیصِ خون آلود کی صورت میں جو اذیت حضرت یعقوبؑ کو پہنچی، اس کے باوجود آپؑ نے اپنے غم کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا اور مخلوق کے سامنے شکایت کرنے کے بجائے ربِ کریم کی طرف رجوع کیا۔ مولانا رستمیؒ کی توضیح میں حضرت یعقوبؑ کا یہ طرزِ عمل ایک "مربیانہ نمونہ" بن کر سامنے آتا ہے کہ آزمائش کے وقت انسان کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ اس کے ایمان کی کیفیت ظاہر کرتا ہے۔[19]

قرآن مجید میں حضرت یعقوبؑ کے اس جملے کو خاص طور پر محفوظ کیا گیا: ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾۔[20] اس کا مفہوم یہ ہے کہ "میں اپنی پریشانی اور غم کا شکوہ صرف اللہ سے کرتا ہوں۔" مولانا رستمیؒ اس آیت کے ضمن میں یہ نکتہ واضح کرتے ہیں کہ صبر محض خاموشی کا نام نہیں، بلکہ اپنے دکھ کو صحیح سمت میں منتقل کرنے کا نام ہے۔ یعنی انسان اندر سے ٹوٹ بھی رہا ہو تو اس کا رشتہ اللہ سے قائم رہنا چاہیے۔ یہی صبر جمیل ہے، اور یہی مومن کی تربیت ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے صبر میں ایک اور لطیف پہلو بھی ہے: وہ بیٹوں کے فریب سے بے خبر نہیں بلکہ آگاہ تھے، اس کے باوجود انہوں نے مایوسی اختیار نہیں کی۔ مولانا رستمیؒ اس مقام کو بڑی بصیرت سے کھولتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی استقامت ظاہری حالات سے مغلوب نہیں ہوتی۔ اُن کے نزدیک صبر کی یہ صورت "انتظارِ رحمت" ہے، یعنی بندہ تدبیر اختیار کرے مگر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔ یہی وہ فکری نکتہ ہے جو سورۂ یوسفؑ کی تربیت کو محض جذباتی نہیں بلکہ عملی بناتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کی آزمائشیں

حضرت یوسفؑ کی زندگی خود صبر واستقامت کا ایک مسلسل باب ہے۔ بچپن ہی میں حسد کا نشانہ بننا، کنویں میں پھینکا جانا، اجنبی قافلے کے ہاتھ کم قیمت میں فروخت ہو جانا، غلامی کی تلخی، اور بعد ازاں فتنۂ عورت وقید خانہ — یہ تمام مراحل انسانی آزمائش کی متنوع شکلیں ہیں۔ مولانا رستمیؒ ان تمام واقعات کو ایک ہی فکری دھاگے میں پروتے ہیں: اللہ کے محبوب بندے کو دنیا میں آرام سے نہیں بلکہ آزمائش سے گزارا جاتا ہے تاکہ اس کی شخصیت نکھر کر سامنے آئے۔

ان کی تعلیقات میں "غیابت الجب" کی توضیح سے صرف کنویں کا تعارف نہیں کرایا گیا بلکہ اس کے اندر پوشیدہ تربیتی معنی کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے۔ یعنی انسان جب ظاہری طور پر گم ہو جائے تب بھی اللہ کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہوتا۔ حضرت یوسفؑ کا کنویں میں اترنا دراصل صبر کی پہلی عملی تربیت تھی۔ پھر مصر کی منڈی میں فروخت ہونا، اور بعد ازاں عزیزِ مصر کے گھر میں قیام — یہ سب مراحل اس بات کی تربیت دیتے ہیں کہ اہلِ ایمان کو حالات کی تنگی میں اپنی عزتِ نفس، پاک دامنی اور اعتمادِ الٰہی کو برقرار رکھنا چاہیے۔

مولانا رستمیؒ کے بیان میں حضرت یوسفؑ کی آزمائشوں کا ایک مرکزی پیغام یہ ہے کہ کامیابی کا راستہ صبر کے مرحلوں سے گزر کر ہی کھلتا ہے۔ ان کے ہاں یوسفؑ کی شخصیت ایک ایسے نوجوان کی مثال ہے جو ماحول، خواہش، دباؤ، اور تنہائی کے باوجود اصولوں پر قائم رہتا ہے۔ قرآن نے اس موقع پر حضرت یوسفؑ کی زبان سے جو دعا اور استقامت نقل کی، وہ اسی تربیت کا نچوڑ ہے کہ انسان اپنے ظرف سے بڑا ہو کر بھی اپنے رب سے وفادار رہ سکتا ہے۔[21]

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

Vol.4, No.2, 2026

قید و تنہائی میں ثبات

سورۃ یوسفؑ کا ایک اور اہم تربیتی باب قید خانہ ہے، جہاں ظاہری طور پر آزادی سلب ہو گئی مگر باطنی آزادی، وقار، اور دعوتی اثر میں اضافہ ہوا۔ مولانا رستمیؒ کے نزدیک قید صرف جسم کی بندش نہیں بلکہ کردار کی آزمائش بھی ہے۔ حضرت یوسفؑ نے قید میں بھی صبر کو شکوہ میں تبدیل نہیں ہونے دیا، بلکہ اسی جگہ دعوت، حکمت، اور اصلاح کا دروازہ کھولا۔ قرآن میں ان کی دعا اور رب سے تعلق اس امر کی دلیل ہے کہ بندگی کی اصل کیفیت مشکل ترین حالات میں ظاہر ہوتی ہے۔

مولانا رستمیؒ اس مرحلے کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ قید و تنہائی ایک مومن کے لیے شکست نہیں بلکہ تربیت گاہ بن سکتی ہے، اگر وہ اپنے اندر صبر، ذکر، اور یقین کو زندہ رکھے۔ حضرت یوسفؑ کی قید سے رہائی ایک بادشاہی خواب کے ذریعے ہوئی، مگر مولانا رستمیؒ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس خواب سے بھی پہلے یوسفؑ کا کردار خود ایک زندہ تعبیر بن چکا تھا۔ یعنی ان کی سچائی، پاک دامنی، اور تحمل نے قید کو شکست نہیں بلکہ فتح میں بدل دیا۔

قرآنِ مجید نے بعد کے مرحلے میں حضرت یوسفؑ کی زبان سے یہ کلمہ نقل کیا: ﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾۔[22] مولانا رستمیؒ کی تفسیر میں یہ آیت پوری تربیتی بحث کا خلاصہ بن جاتی ہے کہ تقویٰ اور صبر ہی وہ دو ستون ہیں جن پر انسان کی اخلاقی اور روحانی کامیابی قائم ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک قید میں یوسفؑ کی استقامت اس بات کی عملی مثال ہے کہ حالات انسان کو نہیں، انسان حالات کو معنی دیتا ہے؛ اور اگر معنی اللہ کی رضا کے مطابق ہوں تو قید بھی عبادت بن جاتی ہے۔

اس ضمن میں مولانا رستمیؒ کی تعلیقات کا امتیاز یہ ہے کہ وہ صبر کو محض "برداشت" نہیں بلکہ "بامقصد استقامت" کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ بامقصد استقامت انسان کو حسد، انتقام، گھبراہٹ، اور بدگمانی سے بچاتی ہے، اور اس کے اندر ایک ایسا اخلاقی سرمایہ پیدا کرتی ہے جو زندگی کے ہر مرحلے میں اس کے ساتھ رہتا ہے۔

3.2۔ عفو و درگزر کا درس

سورۃ یوسفؑ کی تربیتی جہات میں "عفو و درگزر" کو ایک مرکزی مقام حاصل ہے۔ یہ سورت محض صبر کی تلقین نہیں کرتی بلکہ صبر کے بعد پیدا ہونے والی اخلاقی بالیدگی کو بھی نمایاں کرتی ہے۔ عام انسانی نفسیات یہ ہے کہ جب مظلوم کو اقتدار اور غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ انتقام کی راہ اختیار کرتا ہے، لیکن سورۃ یوسفؑ اس نفسیاتی کمزوری کو اخلاقی عظمت میں تبدیل کرتی ہے۔ مولانا قاضی عبد الہادی رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات میں یہ پہلو نہایت مؤثر انداز میں سامنے آتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے ظلم، حسد، بے رحمی، اور طویل جدائی کے باوجود انتقام کے بجائے عفو، شفقت، اور اصلاح کا راستہ اختیار کیا۔ یہی اس قصے کا وہ اخلاقی کمال ہے جو اسے محض تاریخی واقعہ نہیں بلکہ دائمی تربیتی نصاب بنا دیتا ہے۔[23]

قرآنِ مجید نے اس سورت میں انسانی جذبات کی انتہائی پیچیدہ صورت حال کو بیان کیا ہے۔ ایک طرف وہ بھائی ہیں جنہوں نے بچپن میں حضرت یوسفؑ کو کنویں میں پھینکا، والد کو جھوٹ بول کر غم میں مبتلا کیا، اور ایک آزاد انسان کو فروخت کرنے جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کیا؛ دوسری طرف حضرت یوسفؑ ہیں جو اقتدار، عزت، اور اختیار کے بلند ترین مقام پر پہنچنے کے باوجود اپنے بھائیوں کے لیے دل میں انتقام نہیں رکھتے۔ مولانا رستمیؒ کے نزدیک یہی وہ مقام ہے جہاں قرآن انسان کو "اخلاقِ نبوت" کی تعلیم دیتا ہے۔

بھائیوں کے ظلم پر حضرت یوسفؑ کا رویہ

حضرت یوسفؑ کی زندگی کے ابتدائی مراحل ظلم، محرومی، اور سازش سے بھرپور تھے۔ بھائیوں نے حسد کے باعث آپؑ کو باپ سے جدا کیا، کنویں میں پھینکا، پھر جھوٹ اور فریب کے ذریعے اپنے جرم کو چھپانے کی کوشش کی۔ مولانا رستمیؒ ان واقعات کی تشریح کرتے ہوئے اس بات کو نمایاں کرتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں خاندانی حسد نے ہمیشہ بڑے فتنوں کو جنم دیا ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ظلم کے جواب میں بھی اخلاقی بلندی کا مظاہرہ کرتے

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.2, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

ہیں۔[24]

جب قحط کے زمانے میں یہی بھائی غلے کے لیے مصر آئے تو حضرت یوسفؑ نے انہیں پہچان لیا، مگر انہوں نے یوسفؑ کو نہ پہچانا۔ اس موقع پر بھی آپؑ نے فوری انتقام یا تذلیل کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ حکمت، تدریج، اور اصلاح کو ترجیح دی۔ مولانا رستمیؒ اس اسلوب کو "دعوتی حکمت" قرار دیتے ہیں، کیونکہ حضرت یوسفؑ چاہتے تھے کہ ان کے بھائی اپنی غلطی کا شعوری ادراک کریں اور ندامت کے ذریعے اصلاح کی طرف آئیں۔

اسی طرح جب بھائیوں نے بنیامین کے معاملے میں دوبارہ بدگمانی اور سخت جملوں کا اظہار کیا: ﴿إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ﴾ تو حضرت یوسفؑ نے باوجود شدید اذیت کے خاموشی اختیار کی۔ مولانا رستمیؒ اس مقام پر خاص طور پر یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ حقیقی صبر صرف تکلیف برداشت کرنے کا نام نہیں بلکہ غصے اور انتقام کے موقع پر اپنے نفس کو قابو میں رکھنا بھی ہے۔[25]

حضرت یوسفؑ کا یہ رویہ دراصل "اخلاقی غلبہ" کی مثال ہے۔ دنیاوی غلبہ تو اقتدار سے حاصل ہو جاتا ہے، مگر اخلاقی غلبہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان بدلے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ یوسفؑ میں عفو و درگزر محض ایک اخلاقی نصیحت نہیں بلکہ نبوی کردار کی عملی تصویر بن کر سامنے آتا ہے۔

مولانا رستمیؒ کی تعلیقات میں یہ پہلو بھی نمایاں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے ملاقات کے وقت "کنویں" کے واقعے کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ صرف یہ فرمایا: ﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ﴾۔[26] اس طرزِ بیان میں بھی ایک عظیم تربیتی حکمت پوشیدہ ہے، کیونکہ آپؑ نے بھائیوں کی سابقہ خطاؤں کو دہرا کر انہیں مزید شرمندہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مولانا رستمیؒ کے نزدیک یہ "سترِ عیوب" اور "اصلاحِ قلب" کی اعلیٰ مثال ہے۔

"لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" کی تربیتی معنویت

سورۃ یوسفؑ کا سب سے عظیم اخلاقی منظر وہ ہے جب بھائی اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت یوسفؑ کے سامنے عاجزی سے کھڑے ہوتے ہیں، اور اس موقع پر حضرت یوسفؑ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ﴾[27]

یعنی: "آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف فرمائے۔"

مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ اس آیت کو سورۃ یوسفؑ کی اخلاقی معراج قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ صرف معافی کا اعلان نہیں بلکہ ایک مکمل تربیتی منشور ہے۔ "تثریب" عربی زبان میں ملامت، سرزنش، اور شرمندہ کرنے کو کہتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے صرف انتقام کو ترک نہیں کیا بلکہ ملامت تک سے گریز کیا۔ گویا انہوں نے بھائیوں کے دلوں کو احساسِ جرم کے بوجھ سے آزاد کر دیا۔[6]

مولانا رستمیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ حقیقی معافی وہی ہے جس میں انسان مخالف کو بار بار اس کی خطا یاد نہ دلائے۔ اگر معاف کرنے کے بعد بھی انسان دوسرے کو شرمندہ کرتا رہے تو یہ مکمل عفو نہیں۔ حضرت یوسفؑ نے نہ صرف بھائیوں کو معاف کیا بلکہ ان کے لیے دعا بھی فرمائی: ﴿يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوی اخلاق صرف "بدلہ نہ لینے" کا نام نہیں بلکہ خیر خواہی اور اصلاحِ حال کی خواہش کا بھی نام ہے۔

اس آیت کی تربیتی معنویت عصرِ حاضر میں اور بھی زیادہ اہم ہو جاتی ہے، کیونکہ موجودہ معاشرہ انتقام، نفرت، اور جذباتی ردِعمل کا شکار ہے۔ خاندانوں، جماعتوں، اور معاشرتی طبقات کے درمیان معمولی اختلافات بھی مستقل دشمنی میں بدل جاتے ہیں۔ مولانا رستمیؒ کے مطابق سورۃ یوسفؑ کا پیغام یہ ہے کہ معاشرتی استحکام صرف قانون سے نہیں بلکہ عفو، برداشت، اور اخلاقی وسعت سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے اس رویے میں ایک اور عظیم تربیتی سبق یہ ہے کہ معافی طاقت کی حالت میں زیادہ عظیم ہوتی ہے۔ کمزور آدمی کی خاموشی بعض اوقات مجبوری ہوتی ہے، مگر طاقت ور کا درگزر اخلاقی عظمت کی علامت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس واقعے کو "احسن القصص" کا حصہ بنایا تاکہ اہلِ

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

Vol.4, No.2, 2026

ایمان یہ سیکھیں کہ اقتدار کا اصل حسن انتقام میں نہیں بلکہ عفو میں ہے۔

مولانا رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات اس پہلو کو بڑی سادگی مگر گہرائی کے ساتھ واضح کرتی ہیں کہ حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کے ساتھ محض قانونی انصاف نہیں کیا بلکہ اخلاقی احسان کا معاملہ فرمایا۔ یہی احسان دلوں کو بدل دیتا ہے، اور یہی دعوتِ انبیاء کا اصل جوہر ہے۔

3.3۔ عفت و پاک دامنی

سورۃ یوسفؑ کی تربیتی جہات میں "عفت و پاک دامنی" کو ایک بنیادی اور نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ قرآنِ مجید نے حضرت یوسفؑ کے واقعے کو صرف تاریخی قصہ کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اسے انسانی نفس، جذبات، اور اخلاقی کشمکش کی ایک جامع تصویر بنا کر پیش کیا ہے۔ مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات میں یہ پہلو خاص طور پر نمایاں ہے کہ وہ حضرت یوسفؑ کے واقعے کو نوجوانوں کی اخلاقی تربیت، ضبطِ نفس، اور روحانی استقامت کا عملی نمونہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک سورۃ یوسفؑ کا یہ حصہ انسانی خواہشات کے طوفان میں تقویٰ اور خوفِ خدا کی قوت کو آشکار کرتا ہے۔[28]

قرآنِ کریم نے اس واقعے کو نہایت پاکیزہ، مہذب، اور بلیغ انداز میں بیان کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسانی فطرت سے انکار نہیں کرتا بلکہ اسے اخلاقی حدود کا پابند بناتا ہے۔ مولانا رستمیؒ اسی نکتے کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کی آزمائش محض ایک فرد کی آزمائش نہیں بلکہ ہر اس انسان کی آزمائش ہے جو جوانی، حسن، تنہائی، اور شہوت انگیز ماحول میں اپنے ایمان اور کردار کی حفاظت کرتا ہے۔

زلیخا کے واقعے کی اخلاقی جہت

حضرت یوسفؑ کے واقعے میں زلیخا کا فتنہ انسانی زندگی کی ان شدید آزمائشوں میں سے ہے جن میں اکثر انسان اپنی خواہشات کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید اس منظر کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ﴾[29]

یعنی عزیزِ مصر کی بیوی نے حضرت یوسفؑ کو بہکانے کی کوشش کی اور دروازے بند کر دیے۔ مولانا رستمیؒ اس مقام کی تفسیر کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ آزمائش کے تمام ظاہری اسباب موجود تھے: جوانی، حسن، تنہائی، طاقت ور عورت کی دعوت، اور ظاہری دنیاوی فائدہ؛ مگر اس کے باوجود حضرت یوسفؑ نے تقویٰ اور احسانِ الٰہی کو ترجیح دی۔[3]

مولانا رستمیؒ کی تعلیقات کے مطابق حضرت یوسفؑ کا جواب محض ایک وقتی انکار نہیں بلکہ ایک مکمل اخلاقی فلسفہ ہے۔ جب زلیخا نے آپؑ کے حسن و جمال کی تعریف کی تو آپؑ نے دنیا کی فناپذیری اور آخرت کی حقیقت یاد دلائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام خواہش کے مقابلے میں "فکرِ آخرت" کو بطور تربیتی قوت استعمال کرتے ہیں۔[4]

اسی طرح حضرت یوسفؑ کا یہ فرمان:

﴿مَعَاذَ اللَّهِ﴾[30]

صرف ایک لفظ نہیں بلکہ ایمان کی پوری کیفیت کا اظہار ہے۔ مولانا رستمیؒ کے نزدیک یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کا باطن ظاہر ہوتا ہے۔ جو دل اللہ کے خوف سے آباد ہو، وہ تنہائی میں بھی گناہ سے محفوظ رہتا ہے۔ یہی "احسان" کا مقام ہے جس کی طرف حدیثِ جبریل میں اشارہ کیا گیا کہ بندہ اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔[6]

زلیخا کے واقعے کی ایک اہم اخلاقی جہت یہ بھی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے محسن عزیزِ مصر کے حق کو بھی ملحوظ رکھا۔ آپؑ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ﴾[31]

یعنی "وہ میرا مالک ہے جس نے مجھے عزت دی ہے۔" مولانا رستمیؒ اس جملے کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اسلام میں عفت صرف جسمانی پاکیزگی کا نام نہیں

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

بلکہ وفاداری، امانت، اور احسان شناسی بھی اس کا حصہ ہیں۔ اس طرح سورۃ یوسف ؑ کا یہ واقعہ اخلاقی تربیت کے کئی پہلوؤں کو ایک ساتھ سمیٹ لیتا ہے۔

نفس اور خواہشات پر قابو

مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کی تفسیر میں "نفس" کا موضوع نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے نزدیک حضرت یوسف ؑ کی اصل عظمت صرف حسن یا اقتدار میں نہیں بلکہ اپنے نفس پر قابو پانے میں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾[32]

مولانا رستمیؒ اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان کا نفس فطری طور پر خواہشات کی طرف مائل ہوتا ہے، مگر اللہ کا خوف، ذکر، اور روحانی تربیت انسان کو اس کشمکش میں ثابت قدم رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس آیت کا اصل پیغام "تزکیۂ نفس" ہے، یعنی انسان اپنی کمزوریوں کو پہچانے اور مسلسل اصلاح کی کوشش کرتا رہے۔

حضرت یوسف ؑ نے خواہش کے ماحول میں رہتے ہوئے نہ صرف گناہ سے اجتناب کیا بلکہ قید کو بھی گناہ پر ترجیح دی:

﴿رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ﴾[33]

مولانا رستمیؒ کے مطابق یہ آیت انسانی کردار کی بلند ترین مثال ہے، کیونکہ عام انسان راحت کے لیے اصول قربان کر دیتا ہے، جبکہ حضرت یوسف ؑ نے اصول کی حفاظت کے لیے قید و تنہائی کو قبول کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی آزادی خواہشات کی غلامی سے نجات میں ہے، نہ کہ ظاہری آسائش میں۔

یہاں مولانا رستمیؒ خاص طور پر نوجوانوں کی اخلاقی تربیت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک معاشرے کی اصلاح محض قوانین سے نہیں بلکہ افراد کے اندر خوفِ خدا اور ضبطِ نفس پیدا کرنے سے ممکن ہے۔ اگر نفس کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو انسان علم، اقتدار، اور طاقت کے باوجود تباہی کی طرف چلا جاتا ہے۔ سورۃ یوسف ؑ اس حقیقت کو نہایت جامع انداز میں واضح کرتی ہے۔

نوجوانوں کی کردار سازی

مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات میں سورۃ یوسف ؑ کو نوجوانوں کے لیے ایک عملی تربیتی نصاب کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے نزدیک حضرت یوسف ؑ کی پوری زندگی نوجوان نسل کے لیے اسوہ ہے، کیونکہ آپؑ نے جوانی کے پُر آشوب دور میں پاک دامنی، دیانت، اور تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔[34]

مولانا رستمیؒ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نوجوانی خواہشات، جذبات، اور جوش کا زمانہ ہوتی ہے، اس لیے اگر اس مرحلے میں ایمان اور اخلاق مضبوط نہ ہوں تو انسان آسانی سے گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضرت یوسف ؑ کی شخصیت اس کے برعکس یہ سکھاتی ہے کہ ایمان والا نوجوان ماحول کا غلام نہیں بنتا بلکہ اپنے کردار سے ماحول کو بدلنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

اس واقعے میں نوجوانوں کی کردار سازی کے کئی اصول سامنے آتے ہیں:

1۔ تنہائی میں بھی اللہ کا خوف برقرار رکھنا۔

2۔ ناجائز خواہش کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دینا۔

3۔ احسان کرنے والوں کے حقوق کا خیال رکھنا۔

4۔ وقتی لذت کے بجائے دائمی کامیابی کو اہم سمجھنا۔

5۔ آزمائش کے وقت اللہ سے مدد مانگنا۔

مولانا رستمیؒ کے نزدیک یہی وہ اصول ہیں جو ایک صالح اور متوازن شخصیت کی تشکیل کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر میں سورۃ یوسف ؑ کا یہ حصہ محض ایک قصہ نہیں بلکہ نوجوان نسل کی اخلاقی تعمیر کا مؤثر ذریعہ بن جاتا ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.2, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عصرِ حاضر میں جب ذرائع ابلاغ، سوشل میڈیا، اور مادہ پرستانہ تہذیب نوجوانوں کے اخلاقی شعور کو مسلسل متاثر کر رہی ہے، سورۃ یوسفؑ کی یہ تعلیمات مزید اہم ہو جاتی ہیں۔ مولانا رستمیؒ کی تعبیر اس پہلو سے نہایت عصری محسوس ہوتی ہے کہ وہ قرآن کے واقعات کو محض ماضی کی تاریخ نہیں بلکہ موجودہ معاشرے کے اخلاقی بحران کا حل قرار دیتے ہیں۔

4۔ سورۃ یوسفؑ کی تفسیری تعلیقات میں دعوتی جہات

سورۃ یوسفؑ محض ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ انسانی زندگی کے نشیب و فراز میں امید، توکل اور حسنِ ظن باللہ کا زندہ و جاوید منشور ہے۔ مولانا قاضی عبد الہادی رستمیؒ نے اپنی تفسیری تعلیقات میں اس سورت کے ان پہلوؤں کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے جو مایوسی کے اندھیروں میں امید کی شمع روشن کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی پوری زندگی اس حقیقت کی عملی تفسیر ہے کہ مومن شدید ترین حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب اس سورت کو "صبر، توکل اور رجاءِ کامل" کی سورت قرار دیتے ہیں، جس میں آزمائش کے ساتھ ساتھ امید کی تربیت بھی پوشیدہ ہے۔

4.1۔ توحید اور عقیدہ

حضرت یعقوبؑ کی شخصیت سورۃ یوسفؑ میں صبر و توکل کے حسین امتزاج کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اولاد کی جدائی، بڑھاپے کی کمزوری، مسلسل غم اور معاشرتی تنہائی کے باوجود ان کا اعتماد اللہ تعالیٰ پر متزلزل نہیں ہوتا۔ مولانا رستمیؒ نے اس پہلو کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے بظاہر تمام اسباب کے ختم ہو جانے کے باوجود اللہ کی رحمت سے امید وابستہ رکھی۔ قرآنِ مجید میں ان کا یہ قول اسی حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾[35]

"پس اب صبر جمیل ہی بہتر ہے اور جو باتیں تم بیان کرتے ہو ان پر اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔"

قاضی صاحب اس آیت کی تشریح میں واضح کرتے ہیں کہ "صبر جمیل" وہ صبر ہے جس میں بندہ شکوۂ خلق سے بچتا ہے اور اپنا غم صرف اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾[36]

"میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد صرف اللہ کے سامنے کرتا ہوں۔"

مولانا رستمیؒ کے مطابق یہ طرزِ عمل ایک داعی اور مصلح کے لیے نہایت اہم تربیتی اصول فراہم کرتا ہے کہ آزمائشوں کے وقت انسان لوگوں کے سامنے بے صبری کا اظہار کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کا سفید ہو جانا فطری غم کی علامت تھا، مگر اس غم نے کبھی ان کے توکل کو کمزور نہیں کیا۔ یہی "حزن مع الرضا" یعنی رضا کے ساتھ غم برداشت کرنا انبیاءِ کرامؑ کا وصف ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے بھی حضرت یعقوبؑ کے اسی مقامِ توکل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کے ظاہری اقوال پر مکمل اعتماد نہیں کیا بلکہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔[37] اسی طرح امام قرطبیؒ کے نزدیک حضرت یعقوبؑ کا طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ مؤمن شدید ترین حالات میں بھی حسنِ ظن باللہ کو ترک نہیں کرتا۔[38]

"لَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ" کا پیغام

سورۃ یوسفؑ کا سب سے عظیم تربیتی پیغام امید اور رجائیت کا درس ہے۔ جب حضرت یعقوبؑ طویل جدائی، بڑھاپے اور مسلسل صدمات کے باوجود اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں:

﴿يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾[39]

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

"اے میرے بیٹو! جاؤ، یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، کیونکہ اللہ کی رحمت سے صرف کافر لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں۔"

مولانا رستمیؒ اس آیت کو پورے قصۂ یوسفؑ کا روحانی نکتۂ عروج قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک یہاں "روح اللہ" سے مراد اللہ کی رحمت، مدد اور کشادگی ہے۔ قاضی صاحب اس مقام پر یہ واضح کرتے ہیں کہ ایک سچا مومن کبھی حالات کی تاریکی کو آخری حقیقت نہیں سمجھتا، بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر تنگی کے بعد آسانی پیدا کرنے پر قادر ہے۔

آپ کی تفسیر میں یہ نکتہ خاص طور پر نمایاں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے محض دعا پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بیٹوں کو عملی تدبیر کا حکم بھی دیا: "جاؤ اور تلاش کرو"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تصورِ توکل ترکِ اسباب کا نام نہیں بلکہ اسباب اختیار کرتے ہوئے اللہ پر اعتماد رکھنے کا نام ہے۔ یہ وہی حقیقت ہے جسے امام غزالیؒ نے "جمع بين التوكل والأخذ بالأسباب" سے تعبیر کیا ہے۔[40]

قاضی صاحب نے اس آیت کے ذیل میں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی نفسیاتی اور روحانی کمزوریوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ آپ کے مطابق جب امت مادی مشکلات، سیاسی زوال یا معاشرتی بحرانوں سے دوچار ہوتی ہے تو مایوسی کا شکار ہو جاتی ہے، حالانکہ قرآن کا پیغام یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اس آیت کو محض ایک تاریخی جملہ نہیں بلکہ پوری امت کے لیے دائمی دعوتِ امید قرار دیتے ہیں۔

مشکلات میں امید اور مثبت طرزِ فکر

مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کی تفسیر کا ایک نمایاں امتیاز یہ ہے کہ وہ قرآنی واقعات سے محض تاریخی معلومات اخذ نہیں کرتے بلکہ ان کے عملی اور نفسیاتی پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ سورۃ یوسفؑ کے واقعے میں آپ نے یہ واضح کیا کہ آزمائشیں انسان کی تباہی کے لیے نہیں بلکہ اس کی تربیت اور رفعتِ درجات کے لیے آتی ہیں۔

حضرت یوسفؑ کی زندگی اس حقیقت کی عملی تصویر ہے کہ کنواں، غلامی، قید اور جدائی جیسی مشکلات دراصل اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کا حصہ تھیں۔ قاضی صاحب اس پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر حضرت یوسفؑ کنویں میں نہ ڈالے جاتے تو مصر کی سلطنت تک نہ پہنچتے، اور اگر قید میں نہ جاتے تو بادشاہ کے خواب کی تعبیر کے ذریعے ان کی عظمت ظاہر نہ ہوتی۔ اس طرح بظاہر تکلیف دہ مراحل ہی مستقبل کی عظیم کامیابیوں کا مقدمہ ثابت ہوئے۔

قرآنِ مجید میں حضرت یوسفؑ کے اس قول میں اسی مثبت طرزِ فکر کی جھلک ملتی ہے:

﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾[41]

"حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

مولانا رستمیؒ کے نزدیک یہ آیت امید، استقامت اور مثبت سوچ کا قرآنی اصول ہے۔ ایک مومن وقتی ناکامی یا آزمائش کو حتمی شکست نہیں سمجھتا بلکہ اسے اللہ کی حکمت کا حصہ تصور کرتا ہے۔ یہی مثبت فکر انسان کو نفسیاتی شکست سے محفوظ رکھتی ہے۔

عصرِ حاضر میں جب نوجوان مایوسی، اضطراب اور ذہنی دباؤ کا شکار ہیں، سورۃ یوسفؑ کا یہ پیغام غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ قاضی صاحب کی تفسیر اس پہلو کو بڑی خوبصورتی سے اجاگر کرتی ہے کہ قرآن انسان کو ناامیدی کے بجائے امید، اضطراب کے بجائے سکون، اور شکست خوردگی کے بجائے اعتمادِ الٰہی عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ یوسفؑ ہر دور کے انسان کے لیے "سورۃ الآمل" یعنی امید کی سورت بن کر سامنے آتی ہے۔

4.2۔ اصلاحِ نفس اور اخلاقی دعوت

سورۃ یوسفؑ اپنے اندر محض تاریخی واقعات کا تسلسل نہیں رکھتی بلکہ یہ انسانی نفس کی تربیت، اخلاقی اصلاح اور باطنی امراض کے علاج کا ایک جامع قرآنی نصاب بھی پیش کرتی ہے۔ مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ نے اپنی تفسیری تعلیقات میں خاص طور پر اس پہلو کو نمایاں کیا ہے کہ سورۃ یوسفؑ انسان کے اندر

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.2, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

پائے جانے والے حسد، جھوٹ، خیانت، عہد شکنی اور نفسانی کمزوریوں کی نشاندہی کرتی ہے اور ساتھ ہی توبہ، ندامت اور رجوع الی اللہ کی راہ بھی دکھاتی ہے۔ آپ کے نزدیک یہ سورت "تزکیۂ نفس" اور "اصلاحِ باطن" کی ایسی عملی تفسیر ہے جس میں انسانی کردار کے مثبت اور منفی دونوں پہلو پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔

حسد کے نقصانات

مولانا رستمیؒ کے مطابق سورۃ یوسفؑ میں سب سے پہلا اخلاقی مرض "حسد" ہے جس نے بھائیوں کو ظلم، فریب اور بے رحمی جیسے سنگین جرائم پر آمادہ کیا۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

﴿إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا﴾[42]

"جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے والد کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں۔"

قاضی صاحب اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ حسد انسان کے اندر ایسی نفسیاتی آگ پیدا کرتا ہے جو عقل و انصاف کو مفلوج کر دیتی ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی ابتدا میں صرف باطنی حسد کا شکار تھے، مگر یہی حسد رفتہ رفتہ قتل کے منصوبے، جھوٹ، دھوکے اور عہد شکنی تک پہنچ گیا۔

آپ نے اپنی تعلیقات میں یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ حسد کی بنیاد عموماً دنیاوی یا نفسانی محرومی کا احساس ہوتا ہے۔ بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کی فضیلت کو اللہ کی عطا سمجھنے کے بجائے اسے اپنی محرومی تصور کیا، حالانکہ مومن کا طرزِ فکر یہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کی تقسیم پر راضی رہے۔

امام ابنِ کثیرؒ نے بھی اس واقعے کے تحت لکھا ہے کہ حسد وہ پہلا گناہ ہے جو آسمان میں ابلیس اور زمین میں قابیل کے ذریعے ظاہر ہوا، اور سورۃ یوسفؑ میں یہی حسد خاندانی فساد کا سبب بنا۔[43] امام رازیؒ کے نزدیک حسد انسان کو اس مقام تک لے جاتا ہے کہ وہ اللہ کی تقدیر پر بھی معترض ہو جاتا ہے۔[44]

مولانا رستمیؒ عصرِ حاضر کے معاشرے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معاشرتی انتشار، خاندانی جھگڑے اور باہمی دشمنیوں کی ایک بڑی وجہ یہی حسد ہے۔ انسان دوسروں کی نعمتوں کو دیکھ کر اپنے دل میں نفرت پیدا کر لیتا ہے، حالانکہ قرآن انسان کو قناعت، خیر خواہی اور رضا بالقضاء کی تعلیم دیتا ہے۔ اس اعتبار سے سورۃ یوسفؑ حسد کے روحانی اور سماجی نقصانات کو نہایت مؤثر انداز میں آشکار کرتی ہے۔

جھوٹ، خیانت اور عہد شکنی کی مذمت

مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ نے سورۃ یوسفؑ کی تفسیری تعلیقات میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ جب انسان ایک گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں دوسرے اخلاقی جرائم بھی جنم لیتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حسد کے بعد جھوٹ، خیانت اور عہد شکنی جیسے اعمال کا ارتکاب کیا۔ قرآنِ مجید میں ان کے جھوٹ کا منظر یوں بیان ہوا:

﴿وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ﴾[45]

"اور وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر لے آئے۔"

قاضی صاحب اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جھوٹ وقتی طور پر حقیقت کو چھپا سکتا ہے مگر حق کو ہمیشہ کے لیے مٹا نہیں سکتا۔ حضرت یعقوبؑ نے فوراً محسوس کر لیا کہ معاملہ مشکوک ہے، کیونکہ اللہ کے نبی کی فراست جھوٹ کے پردوں کو چاک کر دیتی ہے۔ اسی طرح جب بھائیوں نے بنیامین کو ساتھ لے جانے کے لیے قسمیں کھائیں اور وعدہ کیا:

﴿حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ﴾[46]

"یہاں تک کہ تم اللہ کے نام پر پختہ عہد دو۔"

تو قاضی صاحب نے اس مقام پر عہد و پیان کی شرعی اور اخلاقی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ آپ کے مطابق ایک مومن کے لیے وعدہ محض رسمی الفاظ نہیں

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.2, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

بلکہ دینی ذمہ داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت میں عہد شکنی کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ آپ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ایک آزاد انسان کو غلام بنا کر فروخت کیا، جو انسانی خیانت اور ظلم کی انتہائی شکل تھی۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دل حسد اور دنیا طلبی سے آلودہ ہو جائے تو انسان اخلاقی حدود کو پامال کرنے لگتا ہے۔

امام قرطبیؒ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ سورۃ یوسفؑ میں جھوٹ اور دھوکے کے انجام کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگ اخلاقی فساد سے بچ سکیں۔[47] اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا کہ حضرت یعقوبؑ کا صبر اور بھائیوں کی بے وفائی انسانی کردار کے دو متضاد نمونے پیش کرتی ہے۔[48]

مولانا رستمیؒ کے نزدیک اس سورت کا دعوتی پہلو یہی ہے کہ معاشرتی اصلاح صرف ظاہری قوانین سے ممکن نہیں بلکہ دلوں کی اصلاح سے وابستہ ہے۔ جب انسان کے اندر خدا خوفی پیدا ہو جائے تو جھوٹ، خیانت اور ظلم خود بخود ختم ہونے لگتے ہیں۔

توبہ اور رجوع الی اللہ

سورۃ یوسفؑ کی ایک عظیم اخلاقی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو گناہ کی تاریکی میں چھوڑ نہیں دیتی بلکہ توبہ، ندامت اور رجوع الی اللہ کی راہ دکھاتی ہے۔ مولانا قاضی عبد الہادی رستمیؒ کے مطابق یہ سورت "مایوسی کے بجائے اصلاح" کا درس دیتی ہے۔ جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں پر حقیقت واضح ہوئی اور انہیں اپنے جرائم کا احساس ہوا تو انہوں نے اعترافِ جرم کرتے ہوئے کہا:

﴿قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ﴾[49]

"انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بے شک ہم ہی خطاکار تھے۔"

مولانا رستمیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اعترافِ گناہ توبہ کی پہلی منزل ہے۔ جب تک انسان اپنی غلطی کو تسلیم نہ کرے، اصلاح کا دروازہ نہیں کھلتا۔ حضرت یوسفؑ نے بھی بدلے اور انتقام کے بجائے معافی اور اصلاح کا راستہ اختیار کیا:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ﴾[50]

"آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف فرمائے۔"

قاضی صاحب کے نزدیک یہ محض معافی کا اعلان نہیں بلکہ ایک عظیم اخلاقی اور دعوتی سبق ہے۔ ایک داعی کا کام لوگوں کو ہمیشہ کے لیے مجرم قرار دینا نہیں بلکہ ان کی اصلاح اور واپسی کا راستہ ہموار کرنا ہے۔

اسی طرح سورۃ یوسفؑ میں "وما أبرئ نفسي" کی آیت نفسِ انسانی کی کمزوری کی طرف اشارہ کرتی ہے:

﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾[51]

"بے شک نفس برائی کا بہت حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔"

مولانا رستمیؒ اس مقام پر لکھتے ہیں کہ انسان اپنی قوتِ ارادی پر مکمل بھروسہ نہ کرے بلکہ ہمیشہ اللہ کی رحمت اور مدد کا طلبگار رہے۔ یہی احساسِ احتیاج انسان کو غرور سے بچاتا اور توبہ کی طرف مائل کرتا ہے۔

سید قطبؒ نے اس سورت کے اس پہلو کو "انسانی نفس کی تدریجی اصلاح" قرار دیا ہے، جہاں خطا کے بعد توبہ اور توبہ کے بعد روحانی پاکیزگی کا دروازہ کھلتا ہے۔[52]

اس طرح مولانا قاضی عبد الہادی رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات میں سورۃ یوسفؑ ایک جامع اخلاقی مدرسہ بن کر سامنے آتی ہے، جہاں حسد، جھوٹ اور خیانت جیسے امراض کی مذمت کے ساتھ ساتھ توبہ، اصلاحِ نفس اور رجوع الی اللہ کی روشن تعلیم بھی دی گئی ہے۔ یہی اس سورت کی حقیقی دعوتی روح ہے۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

5۔ نتائج بحث

اس تحقیقی مطالعے کے ذریعے مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات میں سورۃ یوسفؑ کے تربیتی اور دعوتی پہلوؤں کا تجزیہ کیا گیا۔ مجموعی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کی تفسیری کاوش محض روایتی شرح و تفسیر تک محدود نہیں بلکہ ایک تربیتی، اخلاقی اور دعوتی فکر کا منہج پیش کرتی ہے جو فرد، خاندان اور معاشرے کی اصلاح کا جامع فکری نظام فراہم کرتا ہے۔

اس تحقیق سے درج ذیل بنیادی نتائج اخذ ہوتے ہیں:

1. مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات میں سورۃ یوسفؑ کو محض قصص الانبیاء کے طور پر نہیں بلکہ ایک تربیتی نصاب کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔
2. ان کی تفسیر میں اخلاقی تربیت (تزکیۂ نفس) اور دعوتی حکمت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔
3. سورۃ یوسفؑ کے واقعات کو انسانی نفسیات، خاندانی نظام اور سماجی اصلاح کے تناظر میں مربوط انداز میں بیان کیا گیا ہے۔
4. تفسیری تعلیقات میں قرآن کے بیانیہ پہلو کو اخلاقی و اصلاحی مقاصد کے ساتھ جوڑ کر ایک عملی دعوتی ماڈل پیش کیا گیا ہے۔
5. حضرت یوسفؑ کی شخصیت کو ایک مثالی داعی، حکیم رہنما اور اخلاقی معلم کے طور پر نمایاں کیا گیا ہے۔

تجاویز و سفارشات

اس موضوع پر مزید تحقیق کے لیے درج ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

1. مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ کی تفسیری تعلیقات کا دیگر معاصر تفاسیر (جیسے تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن وغیرہ) کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جائے۔
2. سورۃ یوسفؑ کے صرف دعوتی پہلو پر مستقل تحقیقی کام کیا جائے۔
3. ان تعلیقات میں استعمال شدہ روایات کی اسنادی تحقیق (Hadith verification) کی جائے۔
4. سورۃ یوسفؑ کے نفسیاتی اور سماجی اثرات پر جدید سماجی علوم کی روشنی میں تحقیق کی جائے۔
5. مولانا رستمیؒ کے تفسیری منہج کو بطور ایک مستقل مکتبِ فکر (School of Thought) علمی سطح پر پرکھا جائے۔

مصادر و مراجع

---

[1] القرآن، یوسف 12:111۔

[2] القرآن، یوسف 12:3۔

[3] ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لأحکام القرآن (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2006ء)، 9:118۔

[4] ایضاً۔

[5] قاضی فتح الباری رستمی، شیخ القرآن مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ: حالات و خدمات، غیر مطبوعہ سوانحی مواد، مدرسہ فتح العلوم نواں کلی رستم، مردان۔

[6] ڈاکٹر محمد زبیر، شیخ القرآن مولانا قاضی عبدالہادی رستمی، روزنامہ نوائے وقت، 21 دسمبر 2020۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.2, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

7 اسماعیل بن عمر ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1998ء)، 12:1۔

8 القرآن، البقرۃ 74:2۔

9 محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب فضل المدینۃ، حدیث: 2889۔

10 القرآن، البقرۃ 2:94۔

11 شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (کراچی: مکتبۃ البشریٰ، 2010ء)، 45۔

12 القرآن، النحل 16:44۔

13 جلال الدین السیوطی، الإتقان فی علوم القرآن (بیروت: دار الفکر، 2003ء)، 412:2۔

14 محمد بن جریر الطبری، جامع البیان (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2000ء)، 473:2۔

15 القرآن، آل عمران 3:187۔

16 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 389:4۔

17 محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون (قاہرہ: دار الحدیث، 2005ء)، 179:1۔

18 القرآن، یوسف 18:12۔

19 مولانا قاضی عبد الہادی رستمیؒ، تفسیری تعلیقات بر سورۃ یوسف، غیر مطبوعہ پشتو مخطوطہ، تحت آیت 18۔

20 القرآن، یوسف 86:12۔

21 مولانا قاضی عبد الہادی رستمیؒ، تفسیری تعلیقات بر سورۃ یوسف، تحت آیت 86۔

22 القرآن، یوسف 12:90۔

23 القرآن، یوسف 3:12۔

24 مولانا قاضی عبد الہادی رستمیؒ، تفسیری تعلیقات بر سورۃ یوسف، غیر مطبوعہ پشتو مخطوطہ، تحت آیت 3۔

25 القرآن، یوسف 77:12۔

26 القرآن، یوسف 100:12۔

27 القرآن، یوسف 92:12۔

28 مولانا قاضی عبد الہادی رستمیؒ، تفسیری تعلیقات بر سورۃ یوسف، غیر مطبوعہ پشتو مخطوطہ، تحت آیت 92۔

29 القرآن، یوسف 23:12۔

30 مولانا قاضی عبد الہادی رستمیؒ، تفسیری تعلیقات بر سورۃ یوسف، غیر مطبوعہ پشتو مخطوطہ، تحت آیت 23۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

31 ایضاً۔

32 القرآن، یوسف23:12۔

33 القرآن، یوسف23:12۔

34 مولانا قاضی عبدالہادی رستمیؒ، تفسیری تعلیقات بر سورۃ یوسف، تحت آیت 23۔

35 القرآن: یوسف18:12

36 القرآن: یوسف86:12

37 اسماعیل بن عمر ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج4(بیروت: دار الفکر، 1999ء)، 391۔

38 محمد بن احمد القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ج9(قاہرہ: دار الکتب المصریۃ، 1964ء)، 248۔

39 القرآن: یوسف87:12

40 ابو حامد الغزالی، احیاء علوم الدین، (بیروت: دار المعرفۃ، 2005ء) ج4، 261۔

41 القرآن: 90:12

42 القرآن: یوسف08:12

43 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج4، 372۔

44 فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب، ج18(بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1999ء)، 109۔

45 القرآن: یوسف18:12

46 القرآن: یوسف66:12

47 القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ج9، ص165۔

48 شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی (کراچی: ادارۃ القرآن، 2005ء)، 356۔

49 القرآن: یوسف91:12

50 القرآن: یوسف92:12

51 القرآن: یوسف53:12

52 سید قطب، فی ظلال القرآن (قاہرہ: دار الشروق، 2003ء)، ج4، ص1985۔